وقار انبالوی

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

ترے ضمیر میں تھا درد و سوزِ عشقِ رسولؐ
ترے ضمیر نے حق کے سوا کیا نہ قبول

ترا وجود وفا و خلوص کا قبلہ،
تری نمود میں رنگِ ادائے پور بتولؓ

ترا کلام، کلام خدا کی شرحِ جمیل
ترا پیام حدیثِ حبیبؐ و نطقِ رسولؐ

تری زبان کی شیرینیاں متاعِ شکر
ترے بیان کی رنگینیاں بہار کے پھول

تری نوائے جگر دوز صورِ حشرِ صغیر
تری صدائے دل افروز برقِ طورِ عقول

تری حیات کے ہنگامے حرکت و اقدام
تری لغات سے خارج رہے جمود و خمول

بچھے جو بزم تو لطف و کرم تری عادت
ٹھنے جو عزم تو ترکِ طلب ترا معمول

حریفِ سحر و فسون و طلسم تیرا خطاب
حلیفِ قند و شکر تیری بات بات کا طول

گلوئے کبر پہ حاوی تھا تیرا دستِ جنون
اسیرِ حلقۂ زنجیر تیرا پائے اصول

شبِ سیاہ غلامی میں نور کی قندیل
پھٹی جو پو، رہا تحویلِ قبلہ میں مشغول

خطیب ایسا یگانہ کہ بے مثال و نظیر
نصیب ایسا کہ بیگانۂ حصول و وصول

خودی کی اوٹ میں فقرِ غیور کا پیکر
عدو پہ چوٹ میں سنجیدگی کا اصل اصول

میسّر آئیں تجھے قرب کے جو کچھ لمحے
تو عمرِ خضر بھی ان کے عوض کروں نہ قبول

اگرچہ رشکِ شہ و شہریار تھا پیارے
وطن میں بھی تو غریب الدیار تھا پیارے

آغا شورش کاشمیری مرحوم

...... اور ہم آزاد ہو گئے

تاریخ اور صحافت یکساں نہیں، ان میں فرق ہے، اخبار نویسی بسا اوقات ایک منہ ماں جھوٹ اور مصلحت آمیز سچائی ہوتی ہے، لیکن تاریخ ایک بے لوث سچائی اور بے رحم صداقت کا نام ہے۔ ہندوستان یا پاکستان کو آزادی ملی تو یہ کسی فرد واحد کی تنہا ہمت یا فراست کا کمال نہیں، یہ ملک کے اجتماعی ضمیر اور نفری انا کا صدقہ تھا، اس ملک کی آزادی جس سے ۱۴ اگست کو متمتع ہوئے ان نوے سال کی جدوجہد کا ثمرہ ہے، مسلم لیگ اس بات کی دعویدار نہیں ہے لیکن پاکستان کے مطالبہ پر اصرار مسلم لیگ نے کیا اور پاکستان جس شکل میں بھی ملا وہ قائداعظم کی رہنمائی میں ملا لیکن پاکستان یا ہندوستان کی آزادی کا سارا کریڈٹ ... اہم ہیں، اور سب سے زیادہ حصہ اُن لوگوں کا ہے جنہوں نے گھر بار لٹا دیا جن کی گمنامی سے ہم نے نام پایا، جنہوں نے کسی شخصی خواہش کے بغیر قید و بند کو لبیک کہا، جو تختہ ہائے دار پر لٹک گئے، جن کی جوانیاں قید خانوں کے لمحوں میں تحلیل ہو گئیں، جن کا لہو خنجر کی دھار پر برستا رہا، یہ غلط ہے کہ پاکستان صرف مسلم لیگ نے بنایا ہے، پاکستان حاصل اس نے کیا لیکن اُس کی نیو سید احمد شہید نے رکھی۔

لیگ کے عام رہنما آزادی کے ہیرو بن کر سامنے آتے ہیں تو ہنسی آتی ہے، حتیٰ کہ تاریخ کی فطرت بھی ابل سکتی ہے، ان لوگوں کا آزادی میں ہیرو بننا بالکل ایسا ہے جیسا قائداعظم کے ورثہ پر اُن لوگوں نے قبضہ کر لیا تھا جنہوں نے ملک معظم کی حکومت سے حلف اٹھایا تھا کہ اس کی پشتیبانی کے لیے وہ اپنی جانیں وقف کرتے ہیں، جو آخر تک اس کی بقا اور استحکام کی خاطر ہندوستان میں یا ہندوستان سے باہر لڑتے رہے، جن کا خمیر و ضمیر دونوں برطانیہ کے لیے گندھے ہوئے تھے۔

انقلاب عوام برپا کرتے ہیں جو ہمیشہ خواص کے خلاف ہوتا ہے۔ ہر انقلاب میں تلواروں کی اصل زد حکمرانوں کی کھوپڑیوں پر پڑتی ہے لیکن اس انقلاب میں جو ہندوستان اور پاکستان میں ہو رہا تھا اگر کوئی طبقہ محفوظ تھا تو وہ حکمران تھے، ۱۸۵۷ء کا فاتح انگریز ۱۹۴۷ء میں آزادی کا محلل ہو گیا تھا، یہ ایک "پُرامن انقلاب" تھا، جس میں عوام کے خلاف سب سے زیادہ بدامنی تھی، کسی ملک کے انقلاب کی تاریخ کبھی اس طرح مرتب نہیں ہوئی جس طرح برعظیم کی تاریخ مرتب ہو رہی تھی، مقتولوں نے قاتلوں کو ہدیۂ تبریک پیش کیا، اور اپنے قبیلے کے سرکاٹ کے خود ان کے پاؤں میں ڈھیر کر دیئے، یہ آزادی کا وہ ارمغان تھا جو ہندو اور مسلمان اظہار تشکر کے طور پر ویلنگڈن اور کلایو کے جانشینوں کو پیش کر رہے تھے، کانگریس نے کوکناڈا کانگریس (محمد علی جوہر) کے خطبۂ صدارت سے لے کر رام گڑھ کانگریس (ابوالکلام آزاد) کے خطبۂ صدارت تک کو آگ لگا دی، اس کے لیے یہ سب کاغذ کے بیکار پرزے تھے، گویا سردار پٹیل نے مختار احمد انصاری کا وہ گھر جلوا دیا جو کبھی کانگریس کی مجلس عاملہ کے اجلاسوں کا مرکز رہا تھا، لیگ نے سید احمد شہید سے لے کر عطاء اللہ شاہ بخاری تک سب کی جدوجہد

آزادی کو تاریخ کے حوالے کر دیا، قائداعظم نے لیگ ... کو ... ملت کی زبان کو ... پکڑ دیا انہیں فخر تھا کہ پاکستان ان کے علاوہ ان کے ٹائپ رائٹر نے حاصل کیا ہے اور بس۔

۱۴ اگست پاکستان کا یوم آزادی ضرور تھا اور واقعی یوم آزادی تھا، لیکن عجب انقلاب تھا کہ عوام مر رہے تھے اور خواص عیش کر رہے تھے۔ راس کماری سے امرتسر تک اور سلہٹ سے ڈیرہ غازی خان تک یا پھر کلکتہ سے دہلی تک اور راولپنڈی سے جیسور تک سارا برعظیم لہولہان تھا فی الجملہ ایک مذبح عظیم تھا۔

۱۵ اگست کو ———— رات بارہ بج کر پانچ منٹ پر ہندوستان کی آزادی کا سرنامہ پڑھا گیا، جواہر لال کے ساتھ خلیق الزماں نے بھی ترنگے کو سلام کیا، وفاداری کا حلف اٹھایا، لیکن ابوالکلام جس نے وزارتی مشن سے پروانۂ آزادی حاصل کیا تو اپنی اقامت گاہ کے تخلیہ میں چپ چاپ پڑا تھا، اس کا دل ڈوب رہا تھا وہ سوچ رہا تھا ——

دن گنے جاتے تھے اس دن کے لیے؟

اس کا نطق مہر بلب ہو گیا تھا، وہ ابوالکلام نہیں رہا کچھ اور ہو گیا تھا، اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا، اس کی شیوہ بیانی تحت الشعور میں اعتراف شکست کر رہا تھا، اس کی خوشیاں مصنوعی ہو گئی تھیں، اس کے تبسم کو غم کی چاشنی لے مجروح کر رہا تھا، وہ اپنے احساسات کی قبر میں لیٹ گیا تھا، پارلیمنٹ کے باہر ہزاروں ڈھول شنکھ بجا رہے تھے، لیکن ابوالکلام تنہائی میں آنسو بہا رہا تھا، لاکھوں ہندو ملک میں اچھل کود رہے تھے، اُن کے ساتھ نیشنلسٹ مسلمانوں کا ایک ہجوم بھی کھوکھلے قہقہے لٹا رہا تھا۔ لیکن کروڑوں مسلمان اس صبح کے خوف سے دل گرفتہ تھے جو ان کے لیے دشنہ و خنجر لے کر طلوع ہو رہی تھی۔

ہندوستان اور پاکستان میں سب سے بُرا حال ان مخلص اور مغلس نیشنلسٹ مسلمانوں کا تھا جو ہندوؤں کی نگاہ میں مسلمان تھے اور مسلمانوں کی نگاہ میں ہندو، ان کی قربانیاں چتا کی راکھ ہو گئی تھیں، ان کی استقامت پر پھبتی کسا جا رہا تھا، ان کے حوصلے سنگلاخ کی طرح ٹوٹ گئے تھے، ان کا وجود کہیں کا نہ رہا تھا، وہ چوب مسجد کی طرح سوختنی تھے نہ فروختنی، ہندوستان نے انہیں پناہ دینے سے انکار کر دیا تھا جس کی آزادی کے لیے وہ انگریزوں سے لڑتے رہے، حتیٰ کہ اپنی قوم کے قہر و غضب کا شکار ہو گئے؛ اس آزادی کا ثمر بھی ان کو نہیں ملا تھا، وہ اس دور افتادہ صدا کی طرح تھے جو صحراؤں میں بلند ہو کر ریت کے تودوں میں اُتر جاتی ہے، پاکستان ان کے لیے ایک سیاسی تیمم خانہ تھا جس کا نام زبان سے نفرت کرتا اور شبہ کی نظر سے دیکھتا تھا، وہ آزادی کی خوشیوں سے یکسر محروم ہو چکے تھے، ۱۴ اگست کا ملیشیا دن واقعی عظیم دن تھا جسے وہ اپنے گھروں کی چار دیواری میں گزار رہے تھے، لیگ نے انہیں اچھوت بنا دیا اور ہندوستان میں سیاسی بیرکین ہو گئے تھے، ہندوستان میں سسکنے پھینک گئے، پاکستان